خریدنے کے بعد اُس کے پاس بمشکل اتنے پیسے بچے تھے جن کے سہارے وہ زرقا کے ہاں بس ٹیکسی میں پہنچ سکتا تھا ـــــ زرقا کے ہاں ٹیکسی میں پہنچنا بھی تو بہت ضروری تھا۔ کیونکہ رانی اور گگو ہمیشہ نیچے کھیلا کرتی تھیں۔ جب وہ اوپر جاکر سب کو بتائیں گی کہ معظم بھائی یہ لمبی ٹیکسی سے اترے ہیں تو زرقا ایک بار گردن اٹھاکر فخر سے سب کی طرف دیکھے گی اور دل ہی دل میں کہے گی ٹیکسی مت کہو ہوائی قالین کہو ـــــ شہزادے ہمیشہ بادپا قالینوں پر سفر کیا کرتے ہیں! پھر اُس کے نازک ہونٹوں پر مسکراہٹ کا بوجھ پڑ جائے گا اور وہ سر جھکا کر بندر روڈ کی رونق کو کھڑکی میں سے دیکھنے لگے گی۔

معظم کا کتنا جی چاہتا تھا کہ ایک بار ان نازک ہونٹوں پر اتنا دباؤ ڈالے اتنا دباؤ ڈالے کہ زرقا دوبارہ گھوم کر بندر روڈ کی دور تک پھیلی ہوئی رونق نہ دیکھ سکے۔ اور اس کی آنکھوں کی ساری سرد مہری، بیگانگی اور اجنبیت معظم معظم پکار اٹھے ـــــ لیکن زرقا ہمیشہ اُس کے قریب رہ کر بھی دُور دُور رہتی تھی ـــــ بالکل اسی طرح۔ جیسے ناشتے کے ٹرے لئے سفید شملے والے بیرے ہوٹلوں سے گزرتے تھے اور دور رہتے تھے۔ بدقسمتی سے وہ چار انڈے جو وہ لیکر سفر پر روانہ ہوا تھا کچے نکلے۔ ان کے ساتھ اُسے ناشتہ کرنا تھا لیکن جب انڈے لائین کے قریب منڈلانے والے ایک کتے نے چاٹ لئے تو اس نے انتقام کے طور پر چائے سے بھی پرہیز کیا۔

سماسٹہ سٹیشن پر گاڑی کافی دیر تک رکی رہی اور عین اس کے ڈبے کے سامنے مٹھائی والا تالیاں بجا بجا کر پوریاں بیچتا رہا۔ لیکن اس کی جیب میں جتنے پیسے تھے انہیں وہ کراچی کے لئے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ ان پیسوں کے ساتھ اسے زرقا کے ہاں ٹیکسی پر پہنچنا تھا اسی لئے وہ ہر سٹیشن پر اس بے اعتنائی سے

کھڑکی کی طرف پیٹھ کرلیتا جیسے ابھی کل کا کھانا بھی ہضم نہ ہوا ہو!

امریکن عورتوں نے نازک صراحیاں خریدیں سفر کی اکتاہٹ دور کرنے کے لئے دو ایک رسالے لئے اور پھر کینوس کے جوتے لچکاتیں اپنے ڈبے کی طرف چلی گئیں۔ معظم کے ساتھ والی سیٹ پر ایک عورت تیسری بار ناشتہ کر رہی تھی۔ اس کا دو سالہ بچہ کیک کو توڑ کر فرش پر بکھیر رہا تھا اور اس کا شوہر اخبار پڑھتے ہوئے کوئی بارھویں مرتبہ کہہ رہا تھا۔

"دیکھو بھوکی نہ رہنا ـــــ کہو تو کچھ اور منگوا دوں!"

وہ عورت مسلسل کچھ نہ کچھ کھا رہی تھی لیکن شوہر کے اس سوال پر وہ ہر بار کہتی ـــــ "توبہ! گھر جیسا آرام سفر میں کہاں۔ زندگی عذاب ہو گئی ہے نہ کچھ ڈھنگ کا کھانے کو ملا ہے نہ کام کی چائے نصیب ہوئی ہے ـــــ کوئی کھائے تو کیا؟"

ڈیزل انجن نے لمبی سی ہوک بھری پھر گارڈ کی سیٹی سنائی دی۔ اور گاڑی آہستہ آہستہ رفتار پکڑنے لگی۔ وہ دروازے والی کھڑکی کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ سامنے لائینوں کا جال بچھا تھا۔ گاڑی ان بھول بھلیوں میں اپنی لائین تلاش کرتی ڈگا ڈگ، ڈگا ڈگ بھاگ رہی تھی۔ پھر یک لخت اس کی پشت کی جانب کسی دوسری ٹرین کے گزرنے کا ہنگامہ خیز شور اٹھا۔ پرانی وضع کا انجن دھواں اڑاتا اپنی شافٹ فڑ فڑاتا، ہلاتا آناً فاناً نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ ڈبوں میں بیٹھے ہوئے مرد عورتیں بچے اس کی پہچان سے بہت پہلے رخصت ہو گئے اس نے گردن موڑی اور سامنے پھیلی ہوئی جھاڑیوں، لائین پر پھیلے ہوئے پتھروں اور اکا دکا درختوں کو دیکھنے لگا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب کی بار اسے زرقا کے ساتھ کوئی فیصلہ کن بات

کر کے ہی لوٹنا ہوگا۔

بادلوں میں بسنے والی اس لڑکی کے ساتھ ملکوتی محبت کے کئی سال گزر چکے تھے۔ وہ روحانی خط لکھ لکھ کر تھک چکا تھا۔ زرقا کی پرستش کرتے ہوئے اُسے اتنی مدت بیت چکی تھی کہ اب اُس کا دل چاہتا تھا کہ کسی طرح اس بت کو انسانی سطح پر لا کر پیار کرے۔ اُس کے وجود کو محسوس کرے گرم چائے کی طرح ـــــ سگریٹ کے دھوئیں کی مانند ـــــ اپنے ملگجے تکیے کی طرح۔

گاڑی کھٹا کھٹ کراچی کی سمت بھاگی جا رہی تھی!

اور معظم سوچ رہا تھا کہ اس دفعہ اُس کا رویّہ پچھلے سالوں کے مقابلے میں بہت مختلف ہوگا۔ اس بار آنکھیں جھپکا جھپکا کر ممی ممی کہنے والی گڑیا کو عورت بن کر اُس کے قریب آنا ہوگا یا پھر اس کے دل کے سنگھاسن سے اتر کر گم شدگی کے اندھیروں میں ڈوب جانا ہوگا۔

⁂ ⁂ ⁂

"وہ آئی پیلی ٹیکسی ـــــ" ککو چلائی۔

"اونہہ ـــــ مجو بھائی کوئی پیلی ٹیکسی میں آئیں گے وہ تو بڑی ٹیکسی میں آئیں گے آٹھ آنے میل والی میں۔"

رانی بولی۔

"اچھا؟"

"اور کیا؟"

"کچھ شرط لگاتی ہو ـــــ؟" ککو نے پوچھا۔

"ہاں ـــــ لگالو ـــــ"

"اگر مجو بھائی پیلی ٹیکسی میں آئے نا تو تم مجھے اپنی پیلے پھولوں والی فراک

دے دینا ——"

"کونسی؟ —— وہ نائیلون والی؟" رانی نے سوال کیا۔

"ہاں ——"

"واہ —— وہ تو ابھی پرسوں زکی آپا بوری بازار سے لائی ہیں ——"

"پھر کیا ہے؟ شرط تو اچھی چیز کی لگاتے ہیں نا؟" ککو نے سر ہلا کر کہا۔

"لیکن زکی آپا نے تو فراک اس لئے لے کے دی تھی کہ جب مجو بھائی کے ساتھ سمندر کی سیر کو جائیں گے تو پہنیں گے۔"

رانی نے بڑے فخر سے کہا۔

"وہ تو میں بھی پہن سکتی ہوں —— لیکن خیر ہمیں کیا مجو بھائی تو بیچارے آئیں گے پیلی ٹیکسی میں ——"

رانی جل کر بولی —— "اچھا تو پیلی ٹیکسی میں آنے سے کیا ہوتا ہے حبیب بھائی تو ہمیشہ سائیکل رکشا پر آتے ہیں ——"

ککو سڑک کے قریب آبنی جنگلے کے ساتھ لگی کھڑی تھی یہ سن کر جھٹ وہ قریب آکر کہنے لگی۔

"حبیب بھائی مجو بھائی سے اچھے ہیں اچھے ہیں اچھے ہیں"

رانی فلیٹ میں چڑھنے والی بڑی سیڑھیوں پر بیٹھی اپنا پھولوں والا ربن ٹھیک کر رہی تھی اس نے غصے میں آکر بالوں میں سے ربن کھسوٹ لیا اور چلا کر بولی۔

"خاک اچھے ہیں۔ موٹے سے بھدے سے موٹا آلو پلپلا پیسہ لے کے گر پڑا"

"کبھی خالی ہاتھ نہیں آتے۔ ہمیشہ ہمارے لئے کچھ نہ کچھ لاتے ہیں —— ضرور ——" ککو نے کہا۔

"تم ہو ہی لالچی بلی ——"

"بلی ہو گی تو ـــــ"

"تو بڈھی شتر مرغ ـــــ رانی نے چڑ کر کہا۔

"بس تمہارے تو ذہن پر ہمیشہ شتر مرغ سوار رہتا ہے اور کچھ دیکھا جو نہیں ـــــ"

"کیوں دیکھا کیوں نہیں ابھی تو پچھلے ہفتے ہیں چڑیا گھر گئی تھی ـــــ"

گگو فخر سے بولی ـــــ اور ہمیں حبیب بھائی جب ہم چاہیں لے جاتے ہیں ـــــ"

"یہاں کے چڑیا گھر میں رکھا ہی کیا ہے؟ ـــــ تم نے لاہور کا چڑیا گھر دیکھا ہوتا تو کبھی یہاں کے گاندھی گارڈن کا نام بھی نہ لیتیں ـــــ"

"بھلا وہاں اژدہا ہے کیا؟" گگو نے جل کر پوچھا۔

"اژدہا نہیں ہے لیکن پیلی چتیوں والا چیتا تو ہے۔ یہ بڑی بڑی نارنجی آنکھیں ہیں اس کی تم دیکھو تو مارے ڈر کے مر جاؤ ـــــ جب میں پچھلی دفعہ اماں کے ساتھ لاہور گئی تھی تو مجو بھائی نے مجھے خود دکھایا تھا" ـــــ رانی بولی

"وہاں زیبرا بھی نہیں ہے نہیں ہے نا؟ ـــــ"

رانی بحث میں ہار رہی تھی اس لئے اکھڑتے ہوئے بولی ـــــ "زیبرا کونسا ایسا تحفہ ہے۔ یہاں نہ تو اُود بلاؤ ہے نہ سفید مور نہ بندر ـــــ یہ بھی کوئی چڑیا گھر ہے۔ ذرا بھی دیکھنے کو جی نہیں چاہتا ـــــ"

گگو کو غصہ آ گیا وہ چمک کر کہنے لگی ـــــ "اس دن تو مان گئی تھیں کہ یہاں کا چڑیا گھر زیادہ اچھا ہے ـــــ"

"اس دن تو تو اپنی مونگ پھلیاں نہیں دیتی تھی اس لئے میں نے کہہ دیا تھا"

گگو جھلا کر بولی "تم ہو ہی مطلبی، اپنا مطلب ہوتا ہے تو سب کچھ مان جاتی ہو"

پیلی چھت والی ایک ٹیکسی بڑی شاہراہ کو چھوڑ کر فلیٹ والی سڑک کی طرف

مڑی۔ اُن سے پرے والے بلاک کے پاس لمحہ بھر کے لئے رُکی اور پھر ان کی طرف بڑھ آئی۔

گگو تالیاں پیٹتی ہوئی چلائی "دیکھا..... دیکھا..... دیکھا.... مجو بھائی ٹیکسی میں آئے ہیں پیلی ٹیکسی میں..... ہاں..... ہاں..... ہاں"

رانی کو مایوسی تو ہوئی۔ لیکن معظم کے آنے کی اُسے اتنی خوشی ہوئی کہ اُسے اپنی شکست کا احساس بھی نہ رہا۔ معظم نے کار کا پٹ کھولا اپنا اٹیچی اور کمبل اٹھایا اور باہر نکل آیا۔

"ہیلو رانی ——— گگو ———"

دونوں بچیاں سلام کر کے آگے بڑھیں رانی تو معظم سے چمٹ گئی لیکن گگو ٹیکسی کا میٹر پڑھنے لگی۔

"دو روپے چار آنے ———"

پھر اس نے ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ——— "مجو بھائی اس بار تو آپ پورے چھ مہینے بعد آئے ہیں — ہے نا"

"ہاں کچھ دیر سے ہی آیا ہوں ———"

"صبح آپ کا تار ملا تھا۔ میں تو تب سے باہر ہی بیٹھی ہوں ———"

گگو کرائے کی تفتیش کر کے لوٹی تو آتے ہی بولی "آج ہمیں چھٹی تھی مجو بھائی لاسٹ سیٹرڈے ———"

"اور دوسرے لوگ کہاں ہیں؟" معظم نے بظاہر بے پروائی سے پوچھا۔

"وہ دیکھئے دیکھ رہی ہیں نیچے"

معظم نے چہرہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔

تیز گلناری رنگ کے پردے ایک طرف کو گئے زرتا، لیلیٰ اور شیریں کھڑی

تھیں۔ لیلیٰ اور شیریں کی دو دو چوٹیاں سامنے سینے پر لٹک رہی تھیں اور زرقا کی لمبی بوجھل چوٹی اس کے پہلو سے نکل آئی تھی۔ معظم خوب جانتا تھا طویل بالوں کا یہ سلسلہ جسم کے کس حصے پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

فلیٹ کے سامنے پیلی ٹیکسی کے پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے وہ تینوں بہنیں اپنے اپنے کپڑے درست کرنے میں مشغول تھیں ——— دبلی پتلی لیلیٰ نے اپنی زرد کاٹن کی قمیص دیوان پر پھینکتے ہوئے کہا ——— "توبہ رواج بھی کیا چیز ہے جب تک دل اوب نہ جائے کوئی پیچھا ہی نہیں چھوڑتا ——— ان قمیصوں کا بھی کیا فیشن چلا ہے ———"

شیریں قالین پر بیٹھی تھی وہ لیلیٰ کی طرف چہرہ اٹھائے بغیر کہنے لگی "اب تو ہر سڑک پر ہر لڑکی یہی پیلے کرتے پہنے نظر آتی ہے مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے سارے کراچی میں ایک ہی سندھوری لڑکی گھوم رہی ہے"

لیلیٰ ہنس کر بولی ——— "ابھی یہاں کیا دیکھا ہے تم نے لاہور میں تو یہ عالم ہے کہ کسی پر ریشمی کپڑا نظر تک نہیں آتا۔ ہمارے کالج کی تمام لڑکیاں ان ہی رنگین کاٹنوں میں نظر آتی ہیں۔ کسی نے سیاہ کالر لگا لیا ہے تو کسی نے سیاہ بٹن ———"

"لیکن گلا تو بوٹ شیپ ہی اچھا لگتا ہے" شیریں نے استری کا بٹن بند کرتے ہوئے کہا۔ لیلیٰ نے اپنی زرد قمیص کے پاس بیٹھ کر وثوق سے کہا "اور آستینیں بھی چھوٹی ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں ———"

ان دونوں سے ذرا پرے دیوان پر زرقا خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے اس کے سارے کپڑے گڈمڈ دھرے تھے کھلی کھڑکی میں سے سمندری ہوا کے تیز جھونکے آ رہے تھے اور کھڑکی میں لٹکے ہوئے گلناری رنگ کے لمبے لمبے پردے

اِدھر اُدھر لہرا رہے تھے۔ زرقا کی لمبی گاؤدم چوٹی نیچے تکیے پر بل کھا کر لیٹی ہوئی تھی اور ماتھے کے ارگرد باریک بال ہوا سے لرز رہے تھے۔ اس کے گھٹنے تلے معظم کا تار دبا تھا جس میں اس کے آنے کی اطلاع درج تھی۔ وہ اس تار کو بڑی ترکیب سے اماں کے کمرے میں سے کھسکا کر لائی تھی اور اب گھٹنے تلے پڑے ہوئے اس تار کا اسے یوں احساس ہو رہا تھا جیسے کسی کا دھڑکتا ہوا دل اس کی ران تلے آ گیا ہو۔

دوسری منزل کے اس فلیٹ میں تین کمرے تھے۔ جگہ چھوٹی تھی لیکن موزیک کے پکے فرش اور ڈسٹمپر کی ہوئی دیواروں نے اس ننھے سے فلیٹ کو بڑی صاف ستھرائی عطا کر رکھی تھی۔ بلاک کی سیڑھیاں عین ان کے دروازے کے سامنے اوپر کی طرف مڑتی تھیں۔ سیڑھیوں کا دروازہ کھلتا تو ڈرائنگ روم نظر آتا۔ اسی میں ایک جانب کھانے کی بڑی میز اور نازک نازک ٹانگوں والی چھ کرسیاں پڑی تھیں۔ ایک طرف چمکتی پالش والا تین تختوں والا سائیڈ بورڈ تھا۔ جس پر برتنوں کی جگہ اماں جان کا پاندان ان کی سلائی کی ٹوکری اور گھر بلو حساب کی کاپی دھری رہتی تھی۔

کمرے کے ڈرائینگ روم والے حصے میں ایک صوفہ دھرا تھا جس پر بوسیدہ سبز رنگ کا پھولوں والا کپڑا منڈھا تھا۔ سڑک کی جانب کھلنے والی کھڑکی پر نارنجی اور اندر کی طرف جانے والے دروازے پر گہرے نیلے رنگ کے پردے لٹکے ہوئے تھے گلدانوں میں پلاسٹک اور کاغذ کے مصنوعی پھول آراستہ تھے کھڑکی کے سامنے بڑا سا دیوان تھا جس پر گہرے سبز رنگ کا غلاف چڑھا تھا اور اوپر ہر رنگ کے چھوٹے بڑے تکیے بے ترتیبی سے دھرے تھے۔ سارا گھر لڑکیوں سمیت ٹیکنی کلر تھا۔

اس ڈرائینگ روم میں اندر کی طرف دروازے کھلتے تھے۔ جس کمرے میں لیلیٰ شیریں اور زرقا رہتی تھیں اس کی کھڑکی سڑک کی جانب کھلتی تھی ساتھ والے

کمرے میں اماں، ککو اور گڈی رہتی تھیں۔ یہ کمرہ قدرے بڑا تھا لیکن اس میں کوئی کھڑکی نہ تھی جو سڑک کی جانب کھلتی ہوا اسی لئے رانی اور ککو کو ہمیشہ فلیٹ سے اتر کر سڑک پر کھیلنا پڑتا۔

اماں جی کے کمرے کے سامنے چھوٹا سا برآمدہ اور پھر صحن تھا جس کے سامنے دائیں جانب باورچی خانہ اور بائیں طرف سٹور اور غسلخانہ تھا۔ باورچی خانے کے ساتھ دوسرے فلیٹ سے علیحدہ کرنے والی کھپچیوں کی پارٹیشن تھی۔ اس دیوار کے دو تین تختے بالکل ڈھیلے تھے اور ذرا سا دھکا لگنے پر اکھڑ جایا کرتے تھے لیلیٰ اکثر کہیں سے ڈھونڈ کر ہتھوڑی لاتی ڈیڑھ انچ کے کیل منگوائے جاتے اور اکھڑے ہوئے تختوں کو جوڑا جاتا۔ عین سامنے اونچی دیوار تھی جس کے ساتھ ساتھ متوازی وہ تار بندھی تھی جس پر دن بھر سمندری ہوائیں گیلے کپڑے اڑاتی رہتی۔

سٹور کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اس میں جب کبھی ضرورت پڑتی ایک آدھ چارپائی بھی ڈال دی جاتی ——— اور یہ ضرورت عام طور پر زرقا کو ہی پیش آتی اس کی دونوں چھوٹی بہنیں جب اتنی باتیں کرتیں کہ اس کے سر میں درد ہونے لگتا تو وہ چپکے سے اپنا چھوٹا سا اٹیچی اٹھاتی اور خاموشی سے سٹور کی راہ لیتی۔ اٹیچی اٹھانا اس لئے ضروری تھا کہ اس میں معظم کے خطوط تھے گو لیلیٰ اور شیریں ان خطوں سے واقف تھیں۔ لیکن پھر بھی وہ انہیں ان کی دستبرد سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی سٹور میں دیواروں کے ساتھ ساتھ لنٹل کی دو دو سلیں لگی ہوئی تھیں ان پر گھر بھر کے صندوق رکھے تھے۔ لکڑی کے صندوق، چمڑے کے یخدان فائبر کے سوٹ کیس اور بید کے مستطیل بکس۔ ان کے درمیان اتنی کھلی جگہ تھی جہاں زرقا اپنی چھوٹی سی چارپائی بچھا کر لیٹ سکتی تھی ———

یہاں چارپائی پر لیٹ کر بیس واٹ کے مدھم بلب میں معظم کے خط پڑھ کر

اسے عجب طرح کا سکون ملتا۔ اسے لگتا جیسے مجرّد دنیا کے تمام مردوں سے مختلف ہے۔ وہ گوشت پوست کا بنا ہوا مرد نہیں ہجر کا ایک شعر خیام کی اک رباعی ہے

اک حسین پھول ہے جو لمس سے ہمیشہ مرجھا جایا کرتا ہے

معظّم کے خط مقطّر اور ہلکے پھلکے جذبات سے اس قدر پُر ہوتے گویا وہ زرقا کے قرب کا ذرا بھی تمنائی نہیں اور اگر اسے اس چیز کی تمنّا ہے بھی تو اس تمنا میں ہوس کا شائبہ تک نہیں

زرقا کو اسی چیز کی مدّتوں سے تلاش تھی۔ وہ مرد کی نظر میں عقیدت اور پرستش دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے ان نظروں میں جسم کی والہانہ طلب سے نفرت تھی۔

اس وقت بھی کھڑکی کے ساتھ بچھے ہوئے دیوان پر بیٹھی زرقا یہ سوچ رہی تھی کہ معظّم ہفتے بھر کے لئے کراچی آئے گا۔ یہ ہفتہ کتنی مسرّت میں کٹے گا ــــ لیکن اس سے بڑی مسرّت اس وقت حاصل ہو گی جب میں سٹور میں چارپائی بچھا کر پہروں اس ہفتے کو ذہن میں دہرایا کروں گی۔ ہولے ہولے اس ہفتے کا ہر ایک لمحہ میرے دل کی لوح پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہو جائے گا اور پھر اس کو کوئی بھی میرے دل سے کھرچ نہ سکے گا۔

لیلیٰ نے شیریں کو آنکھ مار کر کہا ــــ "آپا پھر گم ہیں ــــ"

شیریں نے کپڑوں کی تہہ لگاتے ہوئے آہستہ سے کہا ــــ "گم نہ ہوں تو اور کیا ہوں ــــ"

لیلیٰ اس کے قریب آ کر نیچی تپائی پر بیٹھ گئی اور بولی "جانتی ہو کیا سوچ رہی ہیں ــــ"

"تو آؤ پھر اپنی باتیں کریں ــــ" شیریں نے بات کی۔

"اور یہ جو سن رہی ہیں" دفنگ دفنے کی مدد سے لیلیٰ بولی۔

زرقا کو یہ دفنگ دفنے کی زبان نہ آتی تھی۔ ویسے بھی جب کبھی لیلیٰ اور شیریں یہ زبان استعمال کرتیں تو زرقا چڑ کر کمرے سے نکل جاتی۔ لیکن آج وہ اس کھڑکی کے پاس سے ہلنا نہ چاہتی تھی۔ اس نے چہرہ سڑک کی جانب پھیر لیا اور سوچ میں ڈوب گئی۔

"بھلا آپا کا بیاہ کس سے ہوگا" لیلیٰ نے ف کی بولی میں پوچھا۔

"تمہیں کیوں فکر ہے بڑی بی؟ ——" شیریں نے اسی زبان میں جواب دیا۔

لیلیٰ بڑی بی کا لفظ سنتے ہی بھڑکی اور کہنے لگی —— "اب ہم کالج میں داخل ہو گئے ہیں۔

اب ہماری عزت کیا کرو ——"

"ہو تو فسٹ ایئر فول ہی نا ——" شیریں شوخی سے بولی۔

"شیریں! ——" لیلیٰ غرائی۔

شیریں نے مسکین صورت بنا کر ہاتھ باندھ کر کہا —— "اگر جان کی امان پاؤں تو ایک بات عرض کروں"

"کہو —— لیکن ایسی کوئی بات نہ ہو جس سے ہماری بے عزتی کا پہلو نکلتا ہو" شیریں نے مسکرا کر کہا۔ "ہمیں یہ کہنا تھا لیلیٰ بیگم کہ بس سال بھر کے وقفے پر اتنا ناز کرتی ہو۔ ہم بھی سال بھر میں کالج میں ہوں گے۔ ایسی کونسی بڑی بات ہے ——"

زرقا نے منہ پھیر کر ان لڑتی جھگڑتی مینا ؤں کی طرف دیکھا تو شیریں خاموشی سے قمیص استری کرنے لگی اور لیلیٰ نے سوئی میں دھاگہ پرونا شروع کر دیا۔

"آپا معظم بھائی آتے ہی ہوں گے اب تو ——" لیلیٰ نے بھیگی بلی بن کر پوچھا۔

آہستہ سے زرقا نے ہاں کہہ کر پھر منہ کھڑکی کی طرف پھیر لیا۔
لیلیٰ نے شیریں کو آنکھ ماری اور اپنی بولی میں کہنے لگی ——— "بڑا زبردست انتظار ہو رہا ہے"

"مجو بھائی بھی تو چھ ماہ سے تشریف نہیں لائے۔ انتظار تو خود ہونا ہی ہوا ———" شیریں نے ہونٹ سے کہا۔

"اگر مجو بھائی جیت گئے تو حبیب بھائی کا کیا بنے گا؟" لیلیٰ نے پوچھا۔

شیریں نے مسکرا کر کہا "وہی جو ہیرو کی موجودگی میں بیچارے ولین کا بنا کرتا ہے"

دونوں چوٹیوں کو سینے پر ٹھیک سے لٹکا کر لیلیٰ نے بڑی آہستگی سے شیریں سے کہا ——— "اگر کہیں خدانخواستہ کوئی جنگ ونگ ہو گئی تو ———"

"نہیں بڑی بی تم بے فکر رہو"

"پھر وہی بڑی بی ——— بڑی بی ہو گی تُو..... تُو....."

سڑک پر آنے والی پیلی ٹیکسی جب موڑ کاٹ کر پہلے بلاک پر رکی تو زرقا جلدی سے دیوان پر سے اٹھی اور کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو گئی اور معظم کا تار دیوان پر ننگ دھڑنگ بچے کی طرح سوتا رہ گیا۔

اسے یوں اٹھتے دیکھ کر لیلیٰ اور شیریں بھاگ کر اس کے پہلو میں کھڑی ہو گئیں۔ ان کی دو دو چوٹیاں سامنے سینوں پر آ گئیں اور زرقا کی لمبی بوجھل چوٹی اس کے پہلو سے نکل آئی ——— معظم اٹیچی اور کمبل نکال کر باہر نکلا تو لیلیٰ اور شیریں نے بڑے تپاک سے ہاتھ ہلائے اور لیلیٰ شیریں سے بولی ——— "ایک آپا جی ہیں سولہ سولہ خط ڈالو تو بھی کبھی نہیں آتے ایک مجو بھائی ہیں کہ ادھر قدم رکھتا ہے ادھر روانہ ہو جاتے ہیں"

"کویت کوئی لاہور تو ہے نہیں کہ خط ملتے ہی گاڑی پکڑ لیں ——— شیریں بولی "کوئی ایسا سات سمندر پار بھی تو نہیں ———"

لیلیٰ اور شیریں اپنی باتیں کئے جا رہی تھیں۔
اور زرقا غور سے معظّم کو دیکھ رہی تھی۔ رانی اس کے بازو کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی۔ ککّو ڈرائیور سے باتیں کر رہی تھی۔ معظّم کا چہرہ اس کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ جیسے سورج مکھی کا پھول سورج کی طرف تکے جا رہا ہو ——
یہ تصویر اس کے دل کی لوح پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہو گئی!

⁂ ⁂ ⁂

لالو نے جلتی سگریٹ عین سڑک کے بیچ میں پھینک دی اور جھلّا کر بولا ——
"ماں کہہ تو رہا ہوں نوکری نہیں ملتی نہیں ملتی ——"
ماں نے سر پر دوپٹہ ٹھیک کیا اور تڑپ کر بولی ——" اتنا بڑا کراچی شہر ہے اور تو کہتا ہے نوکری نہیں ملتی ——"
"کراچی شہر کو میں کیا کروں ماں یہاں سب کہتے ہیں پہلے جہاں کام کرتے تھے اس صاحب کی چٹھی دکھاؤ پھر نوکری دیں گے۔"
لالو اور اس کی ماں ماڑی پور کی اُس بستی کے قریب بیٹھے تھے جہاں قطار در قطار ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے کچے کوٹھے اور فٹ پاتھ کے مسکن تھے۔ لالو کی جیب میں ادھ جلے سگرٹوں کے کچھ ٹوٹے تھے۔ جب ماں کوئی کڑی بات کہتی تو وہ اپنی سبز دھاری دار قمیص کی جیب ٹٹولتا ایک ٹوٹا سلگا لیتا اور جب یہ ٹکڑا اس کی انگلیوں کی پوریں جلانے لگتا تو وہ اس جلتے ٹکڑے کو سڑک کے بیچ میں پھینک دیتا۔
لالو کی ماں لیمپ پوسٹ کے ساتھ پشت لگائے فٹ پاتھ پر بیٹھی تھی۔ اس کی چادر پر جا بجا پیوند تھے اور چہرے پر بھوک، افلاس اور در در کی خاک کی چھاپ تھی۔
"میں تو پہلے ہی کہتا تھا ماں کہ لاہور ٹھیک ہے وہاں اپنی بولی سمجھنے والے بہت تھے پر تجھے تو کراچی کی پڑی تھی۔ تیری تیزیوں نے مار ڈالا ماں! ——"

ماں نے زمین کو پیر کے انگوٹھے سے کرید کر کہا ــــ "اچھی بھلی وہ کویت والوں کی جگہ تھی تو نے خواہ مخواہ کام چھوڑ دیا ــــ"

"کیا بھلی تھی ؟ اتنا تو کام تھا ــــ"

"کھانے کو تو مل جاتا تھا لالو ــــ" ماں نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں تجھے تو ریشمی کپڑے بھی مل جاتے تھے بیبیوں کے پر مجھے کیا ملتا تھا۔ صبح سے رات تک برتن مانجھتا ہر کام کرتا ــــ اور تنخواہ کی باری ماں جی کا منہ پھُلا کر کہنا بس خان صاحب کویت سے آنے والے ہیں سب حساب چکا دوں گی ــــ"

ماں جھلائی بیٹھی تھی بپھر کر بولی ــــ "تو کیا بُرا کرتی تھیں۔ تجھے پیسے ملتے تو تو منڈوہ دیکھ کر برباد کر دیتا ان کے پاس رقم اکٹھی ہو رہی تھی۔ ہونے دیتا ــــ"

لالو کو بھی غصّہ آ رہا تھا وہ اٹھتے ہوئے بولا ــــ "ماں! کمائی میں کرتا ہوں کہ تو ــــ"

"تو ہی کرتا ہے بیٹا تو ہی۔ اگر میں اس ٹانگ سے معذور نہ ہوتی تو تجھے کبھی میں تکلیف نہ دیتی۔ جب تک انہوں نے ساتھ دیا میں نے تیری خدمت کی بیٹا! ــــ"

"تو بول اب تو کیا چاہتی ہے ماں ــــ"

لالو کی ماں بولی ــــ "تو بیگم صاحبہ سے معافی کیوں نہیں مانگ لیتا۔ لالو" بستی کی طرف جاتے ہوئے لالو کہنے لگا ــــ "ماں تم مجھے دس لاکھ روپیہ دو تو بھی معافی نہ مانگوں" ماں نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے آپ سے کہا ــــ "ہاں تو بھلا کیوں معافی مانگنے لگا۔ تجھے تو بالوں میں ڈالنے کو خوشبودار تیل مل جاتا ہے۔ بس میں بیٹھ کر سیر کرنے کو پیسہ مل جاتا ہے۔ ہوٹلوں میں کھانے کو روٹی مل جاتی ہے ــــ بھلا تو کیوں معافی مانگنے لگا ؟"

لالو واپس آکر ماں کے قریب کھڑا ہوگیا اور قہر بھری نظروں سے اسے دیکھ کر بولا ——— "ماں! تو میری ہر بات کو کیوں ٹوکتی ہے یہ کیا کم ہے کہ میں تجھے گلے کا تعویذ بنائے ہر طرف لئے پھرتا ہوں۔ تجھے تو لڑنے جھگڑنے سے کبھی فرصت ہی نہیں ملتی۔ جی تو چاہتا ہے تجھے سمندر میں دھکا دے کر ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جاؤں ———"

ماں رونے لگی اور گھٹنے پر سر رکھ کر بولی ——— "تو دھکا دے کیوں نہیں دیتا۔ میں کونسی سکھ کی سیج پر پڑی ہوں۔ دن پورے کر رہی ہوں ——— تو مجھے بیگم صاحبہ کے گھر ہی رہنے دیتا تو یہ زندگی کے چار دن تو آرام سے کٹ جاتے"

"اب چلی جا اُن کے پاس تجھے منع کس نے کیا ہے" لالو غرّایا۔

"تُو چلے تو میں بھی چلوں لالو ———"

"میری کیا شرط ہے ——— وہ تیری ایسی سگی ہیں تجھے کیوں دھکے دیں گی؟"

"کیا منہ لے کر جاؤں؟۔ ہر بار جب جاتی ہوں وہ دس بیس کی مدد کر دیتی ہیں کوئی حد ہوتی ہے خیرات مانگنے کی ———"

لالو کا اوپر والا ہونٹ اور اوپر کی طرف اٹھا اور اس نے آہستہ سے کہا ———

"ایک بات بتاؤں ماں!"

پُرامید آنکھوں سے ماں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ——— "ہاں بتاؤ؟"

"ماں! کلفٹن کے کنارے گھونگھے اور سیپیوں والوں کے تختے لگے ہیں تو بھی وہاں بیٹھ جا ——— بڑا مسافر اترتا ہے وہاں"

"تو میں وہاں بیٹھ کر کیا کروں رے؟"

"انہیں دعائیں دیا کرنا وہ تیری جھولی بھر اکریں گے ———" لالو بولا۔

ماں نے منہ پرے کر کے تھوکا اور گالیاں بکتی ہوئی بولی ——— "جا بے حرامزادے ——— اپنی روند پر جا ——— تیری منزل کھوٹی ہوتی ہے کیوں مجھ دکھیاری کے ساتھ

مسخری کر رہا ہے۔ ان آنکھوں نے اچھے دن دیکھے ہیں۔ تیری طرح بے غیرتی نہیں کی۔ اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا لالو...... تو...... تو......"

اُس نے گھٹنے پر سر رکھ دیا اور پھر اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی لکیروں میں آنسوؤں کی چھوٹی چھوٹی ندیاں رواں ہوگئیں۔

ماڑی پور سے آنے والی بس رُکی تو لالو بھاگ کر پچھلے دروازے سے اس پر سوار ہو گیا۔ پچھلی لمبی سیٹ کے آخری کونے پر اس کا دوست پھتو بیٹھا تھا۔ لالو کو سوار ہوتے دیکھ کر اس نے بائیں آنکھ ماری اور زور سے کہا ——— "کیوں شاہ جی ہماری ٹکٹ بھی آپ ہی لیں گے نا؟"

لالو نے اندر والی جیب میں سے سُرخ ریشمی رومال نکالا اور نقدی پر نظر ڈالتے ہوئے نعرہ لگایا۔

"ہم ہی لیں گے پیارے تو فکر کیوں کرتا ہے آج ہفتہ ہے کل خدا نے چاہا تو سنڈے لگے گا ——— بے فکر رہ!"

٭ ٭ ٭

حبیب صاحب پھر سائیکل رکشا پر تشریف لائے تھے۔

جب رکشا فلیٹ کے سامنے کھڑی ہوئی تو گگو اور رانی سڑک کے کنارے کھڑی اپنی ایک سہیلی سے باتیں کر رہی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی گگو بھاگ کر ان کے پاس آ کھڑی ہوئی اور جلدی سے بولی ——— "بھائی جان آج آپ بہت دیر سے آئے ہیں ——— پتہ ہے دس بجے گئے ہیں"

"آج ہم نے اتوار منایا ننھا گگو ——— خوب سوتے رہے"

گگو نے حریص بن کر کہا ——— "آپ نے تو کل وعدہ کیا تھا کہ آج کلفٹن لے چلیں گے ———"

"ہاں لے چلیں گے لیکن ایک شرط پر ——" حبیب نے ککو کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شرط؟ —— کیسی شرط ——"

"اگر تمہاری آپا بھی چلیں تو ——" حبیب نے آہستہ سے کہا۔

"وہ تو چلیں ہی گی ——"

یہ کہہ کر ککو سوچ میں پڑ گئی۔ ابھی کل ہی تو معظم بھائی آئے تھے اور اُس کے آنے کے بعد سے زرقا آپا ایک لمحے کے لئے بھی باورچی خانے سے نہ نکلی تھی۔ لیلیٰ اور شیریں کے تو مزے ہو گئے تھے۔ آرام سے صحن کے پرانے تخت پر بیٹھی مجو بھائی کے ساتھ ٹیکے کی باتیں کر رہی تھیں۔ لالو کے جانے کے بعد سارا کام ان دونوں کو ہی کرنا پڑتا تھا۔ زرقا آپا تو بس جھاڑ پونچھ کر دیا کرتی تھیں اور وہ بھی ہر جھاڑ پونچھ کے بعد دس دس منٹ صابن سے ہاتھ دھوتی تھیں۔ لیکن مجو بھائی کے آنے کے بعد وہ تھیں اور تیل کا چولہا —— وہ تھیں اور پیاز لہسن!

کبھی چائے بن رہی ہے —— کبھی کافی کبھی کوکو!

شاید زرقی آپا نہ جائیں۔ شاید چلی بھی جائیں۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ کل کا پورا دن اس امید میں گزر گیا تھا کہ آج انوار ہو گا اور کلفٹن چلیں گے۔ لیکن اگر زرقی آپا نہ گئیں تو حبیب بھائی نہ جائیں گے اور اگر حبیب بھائی نہ گئے تو بھلا ہمیں کون سمندر کنارے لے جائے گا —— یہ سوچتی ہوئی ککو دو دو سیڑھیاں ایک ساتھ الانگتی حبیب صاحب کے ساتھ فلیٹ میں داخل ہو گئی۔

صحن میں سٹور کے سامنے اور باورچی خانے کی مخالف سمت چھوٹے سے تخت پر مجو بھائی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ شیو بڑھی ہوئی تھی۔ گہری نیلی لائینوں والے نائیٹ سوٹ میں بل پڑ گئے تھے۔ گریبان کا پہلا بٹن کھلا تھا اور

بنیان کا کچھ حصّہ اور چھاتی کے سیاہ بال نظر آ رہے تھے۔ ان کے پاس ہی لیلیٰ اپنی زرد کاٹن کی قمیص اور سیاہ دوپٹہ اوڑھے بیٹھی تھی اور شیریں کرشن کنہیا کی طرح ایک ٹانگ دوسری ٹانگ کے آگے رکھے بازو ستون کے ساتھ لگائے کھڑی تھی۔

باورچی خانے سے برتنوں کے بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ جب کبھی زرقا نعمت خانے میں سے کچھ لینے کے لئے دروازے تک آتی۔ تو مجّو کی گفتگو کا تانتا ٹوٹ جاتا۔ سیاہ قمیص سفید شلوار اور سفید چُنا ہوا دوپٹہ پہنے زرّقی کا جسم اس کی تمام توجہ بٹور لیتا۔ گالوں تک لٹکی ہوئی آوارہ سی لٹ اور کولہوں تک بل کھاتے بالوں کی لمبی سی ایک چوٹی کچھ ایسی نظروں میں سماتی کہ لیلیٰ اور شیریں کی باتیں ذہن سے نہ ٹکراتیں اور وہ سگریٹ کے دھوئیں سے چھلّے بنانے میں مشغول ہو جاتا اور سوچتا چوبیس گھنٹوں میں کائنات کا رنگ کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ ابھی کل انجن کا شور تھا ٹرین کی گڑگڑاہٹ تھی اور بے معنی سے سٹیشن تھے اور اب زندگی کی ہر حرکت معنی خیز ہو گئی ہے۔

ایک چیتے جیسی لڑکی کا روپ بھی کیا شے ہے کہ پہاڑ کی آغوش میں کہیں گریز پا سے شور تو ہے لیکن دکھائی نہیں دیتا لیلیٰ نے اس کی بے توجہی سے چڑ کر کہا ——— "توبہ اللہ! کوئی بیسویں دفعہ پوچھ چکی ہوں کہ لاہور میں آج کل کونسی اچھی فلم لگی ہے لیکن آپ تو شاید بہرے ہو گئے ہیں مجّو بھائی"

جب مجّو بھائی نے اس پر بھی توجہ نہ دی تو وہ دونوں دفنگ دفنگ کی بولی میں مجّو بھائی اور زرقا آپا پر تبصرہ کرنے لگیں۔

زرقا دہی کا کٹورا نعمت خانے میں سے نکال کر جا چکی تھی جب اس کا سایہ بھی اوجھل ہو گیا تو مجّو بھائی نے دھوئیں کا چھلّا ہوا میں چھوڑ کر آہستہ سے لیلیٰ کی گردن

پر ہاتھ رکھا اور پھر جلدی سے اپنی گرفت سخت کر کے بولا ــــ" بول لڑکی یہ کیا ڈھنگ ڈھانگ باتیں کر رہی تھی"

" ہائے اللہ گردن چھوڑیئے مجوّ بھائی ــــ" لیلیٰ بلبلائی۔

شیریں کھکھلا کر ہنس دی اور تالی بجا کر بولی ــــ" گردن اس وقت چھوڑیئے گا مجوّ بھائی جب زبان لٹک جائے ــــ"

لیلیٰ کا سر سینے پر لٹکا ہوا تھا دونوں چوٹیاں گھٹنوں سے چھو رہی تھیں اور منہ سرخ ہو گیا تھا پھر بھی وہ تڑپ کر گویا ہوئی ــــ" ابھی تیری باری آ جائے گی شیریں ــــ ہائے بتاتی ہوں مجوّ بھائی ہائے بتائی ہوں خدایا ــــ توبہ میری ــــ"

مجوّ نے گردن چھوڑ دی تو لیلیٰ چھلانگ لگا کر دو قدم دور ہو گئی اور شیریں سے کہنے لگی" کہو بڑی بی بتا دوں تمہاری بات مجوّ بھائی کو؟"

شیریں بولی ــــ" بتا دو ــــ لیکن میں بھی زرقی آپا کو وہ بات بتا دوں گی"

مجوّ اپنی جگہ سے اٹھا تو لیلیٰ ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی، اور جلدی جلدی بولی۔ " ہائے مجوّ بھائی خدا کے لئے گردن میں درد ہو رہا ہے۔ بخدا ایسی کوئی بات نہیں تھی، یہ تو بدتمیز ہے پکّی بدتمیز ــــ"

شیریں نے منہ چڑا کر کہا ــــ" اور مجوّ بھائی یہ تمیزدار ہے ــــ مراۃ العروس کی اصغری ــــ جی"

باہر ہنگامے کی آواز سن کر زرقا ہاتھ میں کچے چاولوں کا طشت لئے دہلیز پر آ کھڑی ہوئی اس کا چہرہ گرمی کے باعث تمتمایا ہوا تھا کنپٹیوں کے قریب پسینے کے ننھے ننھے قطرے ابھر آئے تھے اور آج وہ سیاہ قمیص میں اور بھی دبلی اور کہیں زیادہ سفید نظر آ رہی تھی۔ ٹھٹھکی ہوئی زرقا کو دیکھ کر مجوّ نے لیلیٰ سے کہا

"تمہاری آپا کو تو ہمارے آنے کی رتی بھر خوشی نہیں ہوئی ——"

شیریں جھٹ اپنی زبان میں بولی "لو جی اب ہمیں درمیان میں رکھ کر باتیں ہوں گی ہم بھی کوئی رانی گگو ہیں کیا؟"

زرقا نے ملکہ کی طرح بڑی کڑی نظر سے شیریں اور لیلیٰ کی طرف دیکھا۔

تو لیلیٰ جھٹ بولی —— "مجو بھائی شیریں کہتی ہے آپا کو خوشی نہ ہوتی تو وہ بھلا کل سے باورچی خانے میں ہوتیں؟"

زرقا کی ناک کی پھننگ گلابی ہو گئی اور وہ نظریں جما کر چاول چننے لگی۔

"بھلا ہم کیونکر جانیں! کل کے آئے بیٹھے ہیں اور ایک بھی سیر کا پروگرام نہیں بنا۔ کوئی لاہور والوں کو سیر کرائے یہاں کی تو مانیں ——"

زیر لب زرقا بولی —— "لاکھوں بار تو دیکھ چکے ہیں لوگ یہاں کی چیزیں ——"

"بھول بھی تو جاتے ہیں —— کیوں لیلیٰ؟" مجو نے کہا۔

"بالکل! ——" شیریں نے قدرے شوخی سے جواب دیا۔

لیلیٰ نے لمحہ بھر کے لئے سوچا اور پھر کہنے لگی —— "آپا تو کبھی باہر نہیں جاتیں مجو بھائی"

"کیوں؟"

"ہمیشہ کہتی ہیں کہ مجھے تو ہر جگہ سے مچھلی کی بو آتی ہے ——"

زرقا نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا —— "تو اور کیا جھوٹ ہے۔ سمندر کنارے جاؤ تو کچی مچھلیوں کی مہک کسی ریستوران میں جاؤ تو تلی ہوئی مچھلیوں کی باس ہاں! ——"

"تو اس کے یہ معنی ہوئے اس بار کلفٹن وغیرہ کا پروگرام کینسل؟ ——" مجو بولا۔